Dialogue Social Science Review (DSSR)
www.thedssr.com

ISSN Online: 3007-3154
ISSN Print: 3007-3146

DIALOGUE SOCIAL SCIENCE REVIEW

Vol. 3 No. 7 (July) (2025)

مقاصدِ شریعت کی روشنی میں تفسیری منہج: اصولی بنیادیں، تاریخی ارتقا اور معاصر اطلاقات کا تحقیقی مطالعہ

A Principled Study of Qur'anic Exegesis in the Light of Maqāṣid al-Sharīʿah: Foundations, Historical Development, and Contemporary Applications

Dr. Haseeba Mumtaz
Lecturer, Department of Islamic and Arabic Studies, University of Swabi, KPK,
emaan02020@gmail.com

Naimat Ullah Khan
PhD Scholar, The Islamia University of Bahawalpur
naimatmphil@gmail.com
https://orcid.org/0009-0008-9631-7681

Fawad Khan
Lecturer, Edwardes College Peshawar
khalilfawad40@gmail.com

ABSTRACT

This study explores the methodological foundations of Qur'anic exegesis (tafsīr) in light of *Maqāṣid al-Sharīʿah* (the higher objectives of Islamic law). While the theory of maqāṣid was formally systematized within the discipline of uṣūl al-fiqh, its conceptual roots are deeply embedded in the Qur'an and Sunnah. The research argues that maqāṣid-oriented interpretation is neither a modern innovation nor an external imposition upon the exegetical tradition; rather, it represents a principled extension of classical juristic reasoning into the field of tafsīr. Drawing upon the contributions of scholars such as امام الحرمین جوینی, امام غزالی, and especially امام شاطبی, the study demonstrates how the identification of overarching objectives—such as the preservation of religion, life, intellect, lineage, and property—emerged through inductive analysis (istiqrāʾ) of scriptural sources. The paper further examines how elements of maqāṣid-conscious reasoning can be traced in classical exegetical works, even where no explicit theoretical framework was articulated. Particular attention is given to the methodological transition in modern scholarship, notably in the works of محمد الطاهر ابن عاشور, who integrated maqāṣid theory directly into Qur'anic exegesis and emphasized the necessity of understanding the Qur'an's universal aims—justice, mercy, wisdom, and removal of hardship—when interpreting particular legal and ethical verses. Methodologically, the study argues that maqāṣid-based tafsīr must operate within strict scholarly parameters: the objectives must be established through comprehensive textual induction; they must not contradict explicit scriptural evidence; and they must remain subordinate to the linguistic, contextual, and juristic principles governing interpretation. The research concludes that a maqāṣid-oriented exegetical approach offers a coherent and principled framework capable of addressing contemporary intellectual and legal challenges, provided it remains firmly rooted in the authoritative sources and methodological safeguards of the Islamic scholarly tradition.

Keywords: Maqāṣid al-Sharīʿah, Qur'anic Exegesis (Tafsīr), Uṣūl al-Fiqh, Inductive

Dialogue Social Science Review (DSSR)
www.thedssr.com

ISSN Online: 3007-3154
ISSN Print: 3007-3146

DIALOGUE SOCIAL SCIENCE REVIEW

Vol. 3 No. 7 (July) (2025)

Method (Istiqrāʾ), Legal Theory in Islam, Higher Objectives of Islamic Law, Islamic Hermeneutics, Maslaḥah (Public Interest), Contemporary Islamic Thought

تمہید

قرآنِ مجید اسلامی شریعت کا بنیادی ماخذ اور ہدایتِ الٰہی کا آخری اور محفوظ سرچشمہ ہے۔ اس کی تفہیم و تفسیر کا عمل آغازِ نزول ہی سے جاری ہے اور ہر دور میں اہلِ علم نے اپنے اپنے فکری و علمی پس منظر کے مطابق اس کے معانی و مطالب کی توضیح کی ہے۔ تفسیر کے اس تدریجی ارتقا نے مختلف مناہج کو جنم دیا، مثلاً تفسیر بالمأثور، تفسیر بالرائے، فقہی تفسیر، کلامی تفسیر، ادبی و بلاغی تفسیر، اور معاصر دور میں موضوعاتی و مقاصدی تفسیر۔ ہر منہج اپنے مخصوص علمی زاویے کے ساتھ قرآن فہمی کی ایک جہت کو نمایاں کرتا ہے۔ تاہم دورِ جدید میں جب اسلامی فکر کو پیچیدہ سماجی، قانونی اور تہذیبی چیلنجز کا سامنا ہے، تو محض جزوی یا لغوی تعبیرات سے بڑھ کر ایک جامع اور مقصدی فہم کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی ہے۔ اسی پس منظر میں "مقاصدِ شریعت" کا نظریہ بطور ایک اصولی فریم ورک نہایت اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ مقاصدِ شریعت کا تصور اگرچہ اپنی جڑوں کے اعتبار سے قرآن و سنت ہی میں پیوست ہے، تاہم اسے ایک باقاعدہ علمی نظریہ کی صورت میں متشکل کرنے کا سہرا بالخصوص اصولیین کے سر ہے۔ امام الحرمین جوینی، امام غزالی اور بعد ازاں امام شاطبی نے اس تصور کو منظم اور مربوط انداز میں پیش کیا۔امام الحرمین جوینی نے شریعت کے مقاصد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مصالحِ خمسہ کا ذکر کیا، جسے بعد میں امام غزالی نے اپنی معروف تصنیف المستصفیٰ میں مزید وضاحت کے ساتھ بیان کیا، جہاں انہوں نے دین، نفس، عقل، نسل اور مال کے تحفظ کو شریعت کے بنیادی مقاصد قرار دیا۔[1] اس نظریے کو باقاعدہ فلسفیانہ و اصولی بنیادیں فراہم کرنے کا عظیم کارنامہ امام شاطبی نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف الموافقات میں انجام دیا، جہاں انہوں نے مقاصدِ شریعت کو محض فقہی استنباط کا آلہ نہیں بلکہ پورے نظامِ شریعت کی روح قرار دیا۔[2]

اگرچہ مقاصدِ شریعت کا مباحثہ بنیادی طور پر اصولِ فقہ کے دائرے میں پروان چڑھا، لیکن اس کے اثرات محض فقہی جزئیات تک محدود نہیں رہے۔ قرآن مجید چونکہ شریعت کا اولین مصدر ہے، اس لیے اس کی تفسیر میں بھی مقاصدی شعور کی جھلک مختلف ادوار میں نظر آتی ہے۔ کلاسیکی مفسرین میں سے بعض نے احکامِ قرآنی کی تعبیر کرتے ہوئے مصالح اور حکمتوں کی طرف اشارہ کیا، اگرچہ انہوں نے اسے ایک مستقل منہج کی صورت میں منضبط نہیں کیا۔ مثال کے طور پر امام طبری اپنی تفسیر میں آیاتِ احکام کے ضمن میں اقوالِ صحابہ و تابعین نقل کرتے ہوئے شرعی حکمتوں کا ذکر کرتے ہیں،[3] جب کہ فخر الدین رازی عقلی استدلال اور حکمتِ تشریع پر تفصیلی گفتگو کرتے ہیں۔[4] تاہم مقاصد کو بطور مستقل تفسیری منہج اختیار کرنے کی شعوری کوشش نسبتاً متاخر دور میں سامنے آئی۔ بالخصوص محمد الطاهر ابن عاشور نے اپنی تفسیر التحریر والتنویر میں مقاصدِ شریعت کو قرآن فہمی کا مرکزی اصول قرار دیتے ہوئے متعدد مقامات پر نصوص کی تعبیر مقاصدی بنیادوں پر کی۔[5] انہوں نے اس امر پر زور دیا کہ قرآن کے احکام اور ہدایات کو ان کے کلی مقاصد اور عمومی مصالح سے مربوط کیے بغیر ان کی حقیقی روح تک رسائی ممکن نہیں۔ اسی طرح معاصر اسلامی مفکرین نے بھی اس پہلو کو اجاگر کیا کہ نصوصِ شرعیہ کی تعبیر اگر اپنے مقاصد سے منقطع ہو جائے تو وہ یا تو جمود کا شکار ہو جاتی ہے یا افراط و تفریط کا باعث بنتی ہے۔

موجودہ عہد میں جب اسلامی قانون، انسانی حقوق، معاشرتی عدل اور ریاستی نظم جیسے موضوعات پر علمی مباحث جاری ہیں، تو تفسیری مناہج میں مقاصدی زاویہ نہایت اہم بن چکا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جدید قانونی اور اخلاقی فلسفوں میں "مقصد" اور "مصلحت" کو کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ چنانچہ اسلامی شریعت کے ابدی اصولوں کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے ایسا تفسیری منہج درکار ہے جو نص کی وفاداری کے ساتھ اس کے مقاصد کو بھی پیشِ نظر رکھے۔ اس تحقیقی مقالے کا بنیادی مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ "مقاصدِ شریعت کی روشنی میں تفسیری منہج" محض ایک ذوقی رجحان نہیں بلکہ اس کی جڑیں اسلامی علمی روایت میں گہرائی تک پیوست ہیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے مقاصدِ شریعت کے نظریاتی پس منظر، تاریخی ارتقا اور اصولی مباحث کا جائزہ لیا جائے؛ پھر یہ دیکھا جائے کہ قرآن مجید کی تفسیر میں اس نظریے کو کس حد تک برتا گیا ہے؛ اور آخر میں اس امر کا تنقیدی تجزیہ کیا جائے کہ آیا مقاصدی منہج کو ایک مستقل اور منضبط تفسیری طریقہ کار کی صورت دی جا سکتی ہے یا نہیں۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ مقاصدی منہج کی افادیت کے ساتھ اس کے بعض ممکنہ خطرات اور حدود بھی ہیں۔ اگر مقاصد

Dialogue Social Science Review (DSSR)
www.thedssr.com

ISSN Online: 3007-3154
ISSN Print: 3007-3146

DIALOGUE SOCIAL SCIENCE REVIEW

Vol. 3 No. 7 (July) (2025)

کی تعیین نصوص اور اجماعی اصولوں سے ماخوذ نہ ہو بلکہ محض ذاتی یا زمانی ترجیحات پر مبنی ہو، تو یہ منہج تاویلاتِ بعیدہ اور تحریفِ معنوی کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اس لیے اس تحقیق میں نہ صرف مقاصدی منہج کے مثبت پہلوؤں کو نمایاں کیا جائے گا بلکہ اس کے ضوابط، قیود اور علمی حدود کا بھی تعین کیا جائے گا، تاکہ یہ منہج علمی دیانت اور نصوص کی حرمت کے دائرے میں رہتے ہوئے بروئے کار لایا جا سکے۔

مقاصدِ شریعت کا مفہوم اور تاریخی ارتقا

لفظ "مقاصد" عربی کے مادہ "قصد" سے مشتق ہے، جس کے معنیٰ ارادہ، اعتدال اور کسی شے کی طرف سیدھا رخ کرنے کے ہیں۔ اصولی اصطلاح میں "مقاصدِ شریعت" سے مراد وہ کلی اغراض، حکمتیں اور مصالح ہیں جن کی رعایت شارع نے احکامِ شرعیہ کی تشریع میں ملحوظ رکھی ہے۔ اس تعریف کی جامع ترین صورت ہمیں اصولیین کے ہاں ملتی ہے، جہاں مقاصد کو محض جزوی مصلحتوں کے مجموعہ کے بجائے شریعت کی کلی روح اور غایت قرار دیا گیا ہے۔ امام غزالی نے مقاصد کو واضح کرتے ہوئے لکھا کہ شریعت کا مقصد مخلوق کے لیے مصلحت کا حصول اور مفسدہ کا ازالہ ہے، اور مصلحت کا حقیقی مفہوم ان پانچ اصولی امور (دین، نفس، عقل، نسل اور مال) کے تحفظ سے عبارت ہے۔[6] اس تصور کو بعد میں امام شاطبی نے مزید منظم انداز میں پیش کیا اور یہ تصریح کی کہ شریعت کے تمام احکام انہی کلی مقاصد کے گرد گھومتے ہیں۔[7] ان کے نزدیک مقاصد کا ادراک محض فقہی جزئیات سے نہیں بلکہ نصوصِ شرعیہ کے استقراءِ تام سے حاصل ہوتا ہے، یعنی قرآن و سنت کے مجموعی مطالعہ سے ان کے عمومی اغراض سامنے آتے ہیں۔

شاطبی کے ہاں مقاصد کو تین درجات میں تقسیم کیا گیا:

1. **ضروریات (الضروریات)**
2. **حاجیات (الحاجیات)**
3. **تحسینیات (التحسینیات)**

ضروریات وہ بنیادی اقدار ہیں جن کے بغیر انسانی زندگی اور دینی نظم قائم نہیں رہ سکتا۔ حاجیات وہ امور ہیں جو مشقت کو دور کرنے کے لیے مشروع کیے گئے، جب کہ تحسینیات اخلاقی و جمالیاتی تکمیل کے لیے ہیں۔[8] یہ درجہ بندی بعد کے اصولیین کے ہاں مقاصدی مباحث کی بنیاد بن گئی۔

قرآن و سنت میں مقاصدی اشارات

اگرچہ "مقاصدِ شریعت" کی اصطلاح بعد میں مدون ہوئی، لیکن قرآن مجید میں متعدد آیات ایسی ہیں جو تشریع کی حکمت اور غایت کی طرف واضح اشارہ کرتی ہیں۔ مثلاً عدل و احسان کے قیام کو ایک بنیادی مقصد کے طور پر بیان کیا گیا ہے:

"إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ..." (النحل: 90)

اسی طرح شریعت کے بعض احکام کے ساتھ ان کی علت یا مقصد بھی مذکور ہے، جیسے روزے کے بارے میں فرمایا:

"لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ" (البقرہ: 183)

یہ تعبیرات اس امر کی طرف رہنمائی کرتی ہیں کہ احکامِ شرعیہ محض تعبدی مظاہر نہیں بلکہ ان کے پیچھے اخلاقی، روحانی اور سماجی مقاصد کارفرما ہیں۔ فخر الدین رازی نے ان آیات کی تفسیر میں حکمتِ تشریع پر مفصل بحث کرتے ہوئے واضح کیا کہ شارع کے افعال عبث نہیں بلکہ مصالح پر مبنی ہوتے ہیں۔[9]

ابتدائی اصولیین کے ہاں مقاصدی شعور

مقاصدی فکر کا باقاعدہ ظہور اصولِ فقہ کی تدوین کے ساتھ ہوا۔ امام الحرمین جوینی نے اپنی تصنیف البرہان میں مصالح کے تصور کو واضح کرتے ہوئے ان مصالح کو کلی اصولوں کی صورت میں بیان کیا۔[10] ان کے

شاگرد امام غزالی نے اس بحث کو مزید وسعت دی اور "المستصفیٰ" میں مصلحت کی اقسام اور اس کے شرائط پر تفصیلی کلام کیا۔ بعد کے ادوار میں مقاصد کا نظریہ تدریجاً پختہ ہوتا گیا، حتیٰ کہ امام شاطبی نے اسے ایک جامع نظریۂ شریعت کی صورت دے دی۔ شاطبی کے ہاں مقاصد محض استنباط کا ایک ذریعہ نہیں بلکہ پورے نظامِ شریعت کا مرکز و محور ہیں۔ ان کا استدلال تھا کہ نصوص کا مجموعی استقراء اس بات پر شاہد ہے کہ شارع نے احکام میں بندگانِ خدا کے مصالح کو پیشِ نظر رکھا ہے۔[11]

متاخرین اور جدید دور میں مقاصدی فکر

متاخر دور میں اگرچہ مقاصدی مباحث نسبتاً پس منظر میں چلے گئے، تاہم جدید عہد میں یہ تصور ایک بار پھر مرکزی اہمیت اختیار کر گیا۔ اس احیا کا ایک بڑا سبب جدید قانونی اور اخلاقی مباحث میں غایت و مقصد کی اہمیت ہے۔ محمد الطاهر ابن عاشور نے اپنی کتاب مقاصد الشريعة الاسلامية میں مقاصدی نظریے کو جدید اسلوب میں پیش کیا اور اس کی بنیاد قرآن کے کلی اصولوں پر رکھی۔[12] انہوں نے واضح کیا کہ شریعت کے مقاصد کو سمجھے بغیر نصوص کی تعبیر ادھوری رہتی ہے۔ اسی طرح انہوں نے اپنی تفسیر التحرير والتنوير میں متعدد مقامات پر مقاصدی زاویہ اختیار کیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقاصد کو محض فقہی دائرے تک محدود نہیں رکھا جا سکتا بلکہ اسے تفسیری منہج میں بھی بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔ معاصر علمی مباحث میں مقاصدِ شریعت کو انسانی حقوق، معاشرتی عدل اور ریاستی نظم جیسے موضوعات سے مربوط کیا جا رہا ہے۔ تاہم اس رجحان کے ساتھ یہ خطرہ بھی موجود ہے کہ اگر مقاصد کی تعیین نصوص اور اجماعی اصولوں سے ماخوذ نہ ہو تو وہ subjective تعبیرات کا دروازہ کھول سکتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ مقاصدی منہج کو مضبوط اصولی بنیادوں کے ساتھ مربوط رکھا جائے۔ مقاصدِ شریعت کا نظریہ اسلامی علمی روایت میں ایک تدریجی ارتقا کا نتیجہ ہے۔ قرآن و سنت میں اس کے اشارات موجود ہیں؛ ابتدائی اصولیین نے اسے فقہی استنباط کے ضمن میں برتا؛ اور شاطبی نے اسے ایک جامع نظریۂ شریعت کی صورت دی۔ جدید دور میں ابن عاشور اور دیگر مفکرین نے اس فکر کو از سرِ نو زندہ کیا اور اسے تفسیری و فکری میدان میں وسعت دی۔ اسی پس منظر میں یہ سوال اہم ہو جاتا ہے کہ کیا مقاصدِ شریعت کو ایک منضبط تفسیری منہج کی صورت دی جا سکتی ہے؟ اس کا جواب دینے کے لیے آئندہ حصہ میں اصولِ فقہ میں مقاصد کی حجیت اور استنباطی اصولوں کا تفصیلی جائزہ لیا جائے گا، تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ تفسیری منہج میں اس کا اطلاق کس حد تک علمی طور پر جائز اور ممکن ہے۔

مقاصدِ شریعت کی اصولی حیثیت: تمہیدی اشارے

اصولِ فقہ کی تاریخ میں یہ سوال ہمیشہ بنیادی اہمیت کا حامل رہا ہے کہ آیا احکامِ شرعیہ محض تعبدی اور غیر معقول المعنی ہیں یا ان کے پیچھے معقول مصالح اور معین اغراض کارفرما ہیں؟ جمہور اصولیین کا موقف یہ رہا ہے کہ شریعت کے احکام مصالح عباد پر مبنی ہیں، خواہ وہ مصالح مکلفین پر واضح ہوں یا مخفی۔ یہی تصور بعد میں "مقاصدِ شریعت" کی باقاعدہ نظری صورت اختیار کر گیا۔ امام الحرمین جوینی نے اس امر پر زور دیا کہ شارع کے احکام میں مصالح کی رعایت ایک قطعی حقیقت ہے، اور مجتہد کا کام ان مصالح کی دریافت ہے۔[13] ان کے ہاں اگرچہ "مقاصد" کی اصطلاح پوری صراحت کے ساتھ استعمال نہیں ہوئی، لیکن مصالحِ کلیہ کی تعیین اور ان کی درجہ بندی اسی سمت کی نشاندہی کرتی ہے۔ ان کے شاگرد امام غزالی نے اس بحث کو مزید منضبط کیا اور مصلحت کو "حفظ مقصودِ شرع" سے تعبیر کیا۔ ان کے نزدیک مصلحت وہ ہے جو شارع کے مقصد کے مطابق ہو، نہ کہ محض عقلِ انسانی کی پسند یا عرفی مفاد۔[14] اس وضاحت نے مقاصد کو شخصی رجحانات سے ممتاز کرتے ہوئے انہیں نصوصِ شرعیہ سے مربوط کیا۔

مقاصد اور علتِ حکم کا تعلق

اصولِ فقہ میں "علت (effective cause) "کا تصور بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ قیاس اور اجتہاد کی عمارت اسی پر قائم ہے۔ سوال یہ ہے کہ مقاصد اور علت میں کیا نسبت ہے؟ فخر الدین رازی نے علت کی تعریف کرتے ہوئے اسے وہ وصف قرار دیا جو حکم کے ثبوت کا مدار ہو۔[15] بعد کے اصولیین نے اس پر بحث کی کہ آیا علت محض ایک ظاہری وصف ہے یا اس کے پیچھے کوئی حقیقی مصلحت بھی ہے۔ مقاصدی فکر اس بحث میں یہ اضافہ کرتی ہے کہ علت دراصل اس کلی مقصد کی جزوی تجلی ہے جو شارع نے پیشِ نظر رکھا ہے۔ امام شاطبی نے اس باب میں ایک نمایاں پیش رفت کی۔ انہوں نے واضح کیا کہ جزوی علل کو ان کے کلی مقاصد سے جدا کر کے نہیں سمجھا جا سکتا۔ اگر کوئی مجتہد کسی حکم کی علت کو اس کے مقصودِ کلی سے

کاٹ دے تو وہ استنباط میں خطا کا شکار ہو سکتا ہے۔[16] اس طرح مقاصد علت کے لیے ایک ضابطہ (regulative principle)کا کردار ادا کرتے ہیں، جو قیاس اور اجتہاد کو کلی شریعتی روح کے ساتھ ہم آہنگ رکھتا ہے۔

مصلحت مرسلہ اور مقاصدی استدلال

مصلحت مرسلہ (unrestricted public interest) اصولِ فقہ کا وہ باب ہے جہاں مقاصدی فکر سب سے زیادہ نمایاں ہوتی ہے۔ جمہور کے نزدیک ایسی مصلحت جو کسی خاص نص سے منصوص نہ ہو لیکن شریعت کے کلی اصولوں سے ہم آہنگ ہو، قابلِ اعتبار ہو سکتی ہے—بشرطیکہ وہ ضروریاتِ خمسہ کے تحفظ میں معاون ہو۔ امام غزالی نے مصلحت مرسلہ کو قبول کرتے ہوئے اس کے لیے سخت شرائط عائد کیں، تاکہ محض ظنی مفادات کو شریعت کا نام نہ دے دیا جائے۔[17] بعد میں امام شاطبی نے اس تصور کو مزید وسعت دی اور استقراء کے ذریعے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ شریعت کا کلی مزاج مصالح کے قیام اور مفاسد کے ازالے پر مبنی ہے۔[18] یہاں یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ مقاصدی استدلال محض عقلی مصلحت اندیشی نہیں بلکہ نصوص کے مجموعی فہم پر مبنی ہوتا ہے۔ شاطبی کے نزدیک اگر کوئی مصلحت قرآن و سنت کے کلی استقراء سے ثابت نہ ہو تو اسے شریعت کا مقصد قرار نہیں دیا جا سکتا۔

استقراء (Induction) بطور اصولی منہج

مقاصدی نظریہ کی بنیاد جس اصولی طریقۂ کار پر قائم ہے، وہ "استقراء" ہے۔ امام شاطبی نے واضح کیا کہ شریعت کے کلی مقاصد کسی ایک یا دو نصوص سے اخذ نہیں کیے جا سکتے بلکہ پورے نظامِ شریعت کے استقراء سے سامنے آتے ہیں۔[19] یہ اصول اس لحاظ سے اہم ہے کہ یہ مقاصد کو ذاتی تاویلات سے محفوظ رکھتا ہے۔ جب تک کسی مقصد کی تائید متعدد نصوص اور احکام کے مجموعی رجحان سے نہ ہو، اسے قطعی مقصد قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس اصولی احتیاط کے بغیر مقاصدی منہج، نصوص پر ذوقی تعبیرات مسلط کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

مقاصد کی حجیت: قطعی یا ظنی؟

اصولی بحث میں یہ سوال بھی زیرِ غور آیا ہے کہ مقاصد کی حجیت کا درجہ کیا ہے؟ کیا وہ نصوص کی مانند قطعی ہیں یا ظنی؟ شاطبی کے نزدیک ضروریاتِ خمسہ کا تحفظ قطعی الثبوت ہے، کیونکہ ان پر نصوص کا استقراء دلالت کرتا ہے۔[20] تاہم جزوی تطبیقات اور ان کی عملی صورتیں ظنی ہو سکتی ہیں۔ اس فرق کو ملحوظ رکھنا نہایت اہم ہے، کیونکہ یہی اصول تفسیری منہج میں بھی رہنمائی فراہم کرتا ہے: کلی مقاصد کو بنیاد بنایا جائے، لیکن ان کی تطبیق میں احتیاط برتی جائے۔

اصولِ فقہ میں مقاصدِ شریعت کی حیثیت محض ایک ذیلی نظریہ کی نہیں بلکہ وہ استنباطِ احکام کے لیے ایک بنیادی رہنما اصول (guiding framework) فراہم کرتے ہیں۔ علتِ حکم، قیاس، مصلحت مرسلہ اور استقراء جیسے اصولی مباحث درحقیقت مقاصدی فکر سے گہرے طور پر مربوط ہیں۔ یہی اصولی بنیاد ہمیں اس نتیجہ تک پہنچاتی ہے کہ اگر مقاصد استنباطِ فقہی میں رہنمائی فراہم کر سکتے ہیں، تو قرآن مجید کی تفسیر میں بھی وہ ایک منضبط اور باقاعدہ منہج کی صورت اختیار کر سکتے ہیں—بشرطیکہ ان کی تعیین نصوص کے استقراء، اجماعی اصولوں اور علمی ضوابط کے مطابق ہو۔

تفسیری مناہج کا اجمالی تعارف اور ان میں مقاصدی عناصر کی نشاندہی

قرآنِ مجید کی تفسیر کا علمی سفر عہدِ نبویؐ سے شروع ہو کر ایک طویل اور متنوع روایت کی صورت اختیار کر چکا ہے، جس میں مختلف ادوار، فکری دبستانوں اور علمی تقاضوں نے اپنے اثرات مرتب کیے۔ ابتدائی دور میں تفسیر کا غالب منہج "تفسیر بالمأثور" تھا، جس میں قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے، پھر سنتِ نبویؐ، اقوالِ صحابہ اور تابعین کے ذریعے کی جاتی تھی۔ اس منہج کی نمایاں مثال امام طبری کی تفسیر جامع البیان ہے، جس میں روایات کے استقصا اور اقوال کے تقابل کے ذریعے معنی متعین کیے گئے۔[21] اگرچہ اس منہج کا مرکزی زور نقل و روایت پر تھا، تاہم اس میں مقاصدی شعور بالکل مفقود نہیں تھا؛ بالخصوص آیاتِ احکام کی تفسیر میں مفسرین نے مصالح اور حکمتوں کا ذکر کیا، اور بعض مواقع پر راجح قول کے انتخاب میں عمومی

Dialogue Social Science Review (DSSR)
www.thedssr.com

ISSN Online: 3007-3154
ISSN Print: 3007-3146

DIALOGUE SOCIAL SCIENCE REVIEW

Vol. 3 No. 7 (July) (2025)

مصلحت کو پیشِ نظر رکھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ مقاصد بطور مستقل نظریہ مدون نہ تھے، لیکن نصوص کے فہم میں ان کا شعوری یا غیر شعوری اثر موجود تھا۔ اسی طرح سلف کے ہاں یہ اصول مسلم تھا کہ قرآن کا مجموعی پیغام عدل، رحمت اور ہدایت ہے؛ لہٰذا کسی جزوی تعبیر کو اس کلی مزاج کے خلاف قبول نہیں کیا جاتا تھا، جو دراصل ایک ابتدائی مقاصدی حساسیت (maqāṣidī sensitivity) کی علامت ہے۔

کلاسیکی دور میں جب علمِ کلام، فلسفہ اور فقہ کی تدوین و ترقی ہوئی تو تفسیر میں بھی عقلی اور استدلالی مناہج کو فروغ ملا۔ فخر الدین رازی کی مفاتیح الغیب اس رجحان کی نمایندہ تفسیر ہے، جہاں آیات کے تحت حکمتِ تشریع، عللِ احکام اور کلامی مباحث پر تفصیلی گفتگو ملتی ہے۔[22] رازی اگرچہ باقاعدہ مقاصدی اصطلاح استعمال نہیں کرتے، لیکن ان کی تعبیرات میں یہ واضح رجحان موجود ہے کہ احکامِ شرعیہ کو عقلی مصالح اور حکمتوں کے تناظر میں سمجھا جائے۔ اسی طرح فقہی تفاسیر—مثلاً احکام القرآن کی کتب—میں بھی آیاتِ احکام کی توضیح کرتے وقت علت، مصلحت اور عمومی نفع کو ملحوظ رکھا گیا۔ یہ تمام عناصر اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ اصولِ فقہ میں جو مقاصدی فکر نشوونما پا رہی تھی، اس کے اثرات تفسیر کے میدان میں بھی منتقل ہو رہے تھے، اگرچہ وہ ایک منظم منہج کی صورت اختیار نہیں کر سکے تھے۔ اس مرحلے پر تفسیر اور اصولِ فقہ کے درمیان ایک باہمی تعامل دکھائی دیتا ہے: اصولی مباحث تفسیری استنباط کو متاثر کرتے تھے، اور تفسیری مواد اصولی قواعد کے لیے عملی مثالیں فراہم کرتا تھا۔

مقاصدی شعور کی ایک نسبتاً منظم جھلک ہمیں متاخرین میں ملتی ہے، بالخصوص امام شاطبی کے نظریات کے بعد، جنھوں نے شریعت کے کلی مقاصد کو اجاگر کیا اور نصوص کے استقراء پر زور دیا۔[23] اگرچہ شاطبی نے باقاعدہ تفسیر نہیں لکھی، تاہم ان کا اصولی منہج بعد کے مفسرین کے لیے ایک فکری بنیاد فراہم کرتا ہے۔ جدید دور میں اس فکر کو عملی تفسیری قالب دینے کا نمایاں کارنامہ محمد الطاهر ابن عاشور نے انجام دیا۔ ان کی تفسیر التحرير والتنوير میں متعدد مقامات پر آیات کی تعبیر اس انداز سے کی گئی ہے کہ ان کے پیچھے کارفرما کلی مقاصد—جیسے عدل، حریت، مساوات اور رفعِ حرج—کو نمایاں کیا جائے۔[24] ابن عاشور نے صراحت کے ساتھ لکھا کہ مفسر کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن کے عمومی مقاصد سے واقف ہو، کیونکہ یہی مقاصد جزوی نصوص کی صحیح تعبیر میں رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ اس طرح مقاصدی منہج محض فقہی استنباط کا وسیلہ نہیں رہا بلکہ قرآن فہمی کا ایک اصولی زاویہ بن کر سامنے آیا۔

معاصر تفسیری رجحانات میں موضوعاتی تفسیر (التفسير الموضوعي) اور اصلاحی یا مقاصدی تفسیر کے نام سے جو کام ہوا ہے، وہ اسی ارتقائی عمل کا تسلسل ہے۔ بعض اہلِ علم نے قرآن کے کسی ایک موضوع—مثلاً عدل، انسانی حقوق، معاشرتی نظم یا اقتصادی اصول—کو سامنے رکھ کر متعلقہ آیات کا جامع مطالعہ کیا اور ان سے ایک مربوط نظریہ اخذ کرنے کی کوشش کی۔ اس طرزِ عمل میں مقاصدی فکر کی جھلک نمایاں ہے، کیونکہ اس میں نصوص کو ان کے کلی سیاق اور عمومی پیغام کے ساتھ مربوط کیا جاتا ہے۔ تاہم یہاں ایک اہم علمی سوال بھی پیدا ہوتا ہے: کیا ہر موضوعاتی مطالعہ لازماً مقاصدی منہج کے تحت آتا ہے، یا اس کے لیے مخصوص اصولی شرائط درکار ہیں؟ اس سوال کا جواب اسی وقت ممکن ہے جب ہم مقاصدی منہج کے ضوابط اور حدود کو واضح کریں، تاکہ یہ محض عصری تقاضوں کی تکمیل کا ذریعہ نہ بن جائے بلکہ نصوص کے وفادار اور علمی بنیادوں پر قائم رہے۔ ان تمام مباحث سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ تفسیری روایت میں مقاصدی عناصر ابتدا ہی سے کسی نہ کسی صورت موجود رہے ہیں، لیکن انہیں ایک مستقل اور منضبط منہج کی صورت دینے کی کوشش نسبتاً جدید ہے۔ اس ارتقا کو سمجھنا اس لیے ضروری ہے کہ مقاصدی تفسیر کو نہ تو روایت سے منقطع کوئی جدید ایجاد سمجھا جائے اور نہ ہی اسے غیر مشروط طور پر ہر نئی تعبیر کا جواز قرار دیا جائے۔ آئندہ حصے میں ہم مقاصدی منہجِ تفسیر کے اصول، ضوابط اور عملی مثالوں پر مفصل گفتگو کریں گے، تاکہ اس منہج کی عملی صورت اور اس کی علمی حدود دونوں واضح ہو سکیں۔

مقاصدی منہجِ تفسیر کے اصول، ضوابط اور عملی مثالیں

مقاصدی منہجِ تفسیر کو ایک باقاعدہ علمی طریقۂ کار کے طور پر متعین کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کے اصول اور حدود واضح کیے جائیں، تاکہ یہ منہج نہ تو محض ذوقی تاویلات کا دروازہ بنے اور نہ ہی نصوصِ شرعیہ کی ظاہری دلالت سے منقطع ہو۔ اصولی طور پر مقاصدی تفسیر کی بنیاد اس مسلمہ قاعدے پر قائم ہے کہ شریعت کے احکام مصالحِ عباد پر مبنی ہیں اور قرآن مجید بحیثیتِ مصدرِ اوّل انہی مصالح اور اغراضِ کلیہ کی ترجمانی کرتا ہے۔ تاہم اس بنیاد کو منہجی شکل دینے کے لیے چند اساسی اصول ناگزیر ہیں: (1) مقاصد کا اثبات استقراءِ تام سے ہو؛ (2) مقاصد کی تعیین نصوصِ قطعیہ اور اجماعی اصولوں سے ہم

آہنگ ہو؛ (3) جزوی نصوص کی تعبیر ان کے لغوی، نحوی اور سیاقی تقاضوں سے تجاوز نہ کرے؛ اور (4) مقاصدی استدلال کو علتِ حکم اور قیاس کے اصولی ضوابط سے مربوط رکھا جائے۔ امام شاطبی نے واضح کیا کہ مقاصد کو جزوی دلائل سے نہیں بلکہ شریعت کے مجموعی استقراء سے ثابت کیا جاتا ہے، اور یہی استقراء انہیں شخصی آراء سے ممتاز کرتا ہے۔[25] اس اصول کی روشنی میں مقاصدی تفسیر کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ مفسر قرآن کے کلی پیغام—عدل، رحمت، حکمت اور رفعِ حرج—کو مدنظر رکھے، مگر ساتھ ہی نص کی صریح دلالت سے تجاوز نہ کرے۔ اس توازن کے بغیر مقاصدی منہج یا تو جمود کا شکار ہو سکتا ہے یا پھر تاویلِ بعید کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

مقاصدی منہج کا دوسرا بنیادی ضابطہ یہ ہے کہ کلی مقصد اور جزوی حکم کے درمیان نسبت کو درست طور پر سمجھا جائے۔ ہر جزوی حکم اپنے اندر ایک مخصوص علت رکھتا ہے، لیکن وہ علت کسی وسیع تر مقصد کا حصہ ہوتی ہے۔ اگر مفسر جزوی حکم کو اس کے کلی مقصد سے کاٹ دے تو وہ یا تو حکم کو حد سے زیادہ محدود کر دے گا یا اسے اس قدر وسیع کر دے گا کہ نص کی تحدید ختم ہو جائے گی۔ امام غزالی نے مصلحت کی تعریف کرتے ہوئے تصریح کی کہ معتبر مصلحت وہی ہے جو شارع کے مقصود کے مطابق ہو، نہ کہ وہ جسے عقلِ انسانی بطورِ خود مفید سمجھے۔[26] اسی اصول کو تفسیری میدان میں منتقل کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مفسر جب کسی آیت کی تعبیر میں عمومی مصلحت یا مقصد کو پیش کرے تو اسے یہ دکھانا ہوگا کہ یہ مقصد نصوصِ دیگر اور شریعت کے مجموعی مزاج سے ثابت ہے۔ اس طرح مقاصدی تفسیر علتِ حکم کی توسیع نہیں بلکہ اس کی تکمیل بن جاتی ہے، کیونکہ وہ جزئیات کو کلیات سے مربوط کرتی ہے۔

عملی مثالوں کے اعتبار سے دیکھا جائے تو مقاصدی منہج آیاتِ احکام میں زیادہ نمایاں ہوتا ہے، لیکن اس کا اطلاق اخلاقی، سماجی اور تمدنی آیات پر بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً عدل کے قیام سے متعلق آیات کو اگر محض قانونی حکم کے طور پر پڑھا جائے تو ان کی دلالت محدود ہو سکتی ہے، لیکن جب انہیں شریعت کے کلی مقصد—قیامِ عدل—کے تناظر میں دیکھا جائے تو وہ فردی، اجتماعی اور ریاستی تمام سطحوں پر رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ محمد الطاہر ابن عاشور نے اپنی تفسیر میں متعدد مقامات پر اس اسلوب کو اختیار کیا، جہاں وہ کسی جزوی حکم کو اس کے وسیع تر اخلاقی اور سماجی مقصد سے مربوط کرتے ہیں، اور یوں آیت کی معنوی وسعت کو نمایاں کرتے ہیں۔[27] اسی طرح روزے کی آیت میں "لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ" کی تعبیر کو محض تعبدی حکم کے بجائے تزکیۂ نفس اور اخلاقی تربیت کے کلی مقصد کے طور پر سمجھا جائے تو اس کی تفہیم زیادہ جامع ہو جاتی ہے۔ تاہم یہاں بھی یہ احتیاط ضروری ہے کہ مقصد کو اصل نص پر مسلط نہ کیا جائے بلکہ نص ہی سے اس کی رہنمائی حاصل کی جائے۔

مقاصدی منہج کا ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ یہ نصوص کے درمیان تعارضِ ظاہری کی صورت میں ترجیح اور جمع و تطبیق میں مدد فراہم کرتا ہے۔ جب دو نصوص بظاہر مختلف دلالتیں رکھتی ہوں تو ان کے پیچھے کارفرما مشترک مقصد کو سامنے رکھ کر ان کی تطبیق کی جا سکتی ہے۔ فخر الدین رازی نے بعض مقامات پر حکمتِ تشریع کو بنیاد بنا کر مختلف اقوال کے درمیان ترجیح دی ہے، جو مقاصدی رجحان کی ایک عملی مثال ہے۔[28] تاہم اس طریقۂ کار کی کامیابی اسی وقت ممکن ہے جب مفسر کو اصولِ فقہ، لغتِ عرب اور سیاقِ کلام پر مکمل عبور حاصل ہو؛ ورنہ مقاصد کے نام پر نصوص کی ایسی تعبیرات سامنے آ سکتی ہیں جو علمی معیار پر پوری نہ اتریں۔

ان اصول و ضوابط کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مقاصدی منہجِ تفسیر ایک ایسا فکری سانچہ فراہم کرتا ہے جو قرآن کے کلی پیغام کو جزوی نصوص کے ساتھ ہم آہنگ کرتا ہے، اور عصرِ حاضر کے مسائل میں قرآن کی رہنمائی کو مربوط انداز میں پیش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لیکن اس کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ اسے مضبوط اصولی بنیادوں کے ساتھ اختیار کیا جائے، اور نصوصِ قطعیہ، اجماع اور استقراءِ تام کو اس کا لازمی حوالہ بنایا جائے۔ آئندہ حصے میں ہم معاصر مباحث میں مقاصدی تفسیر کی افادیت اور اس پر وارد ہونے والے تنقیدی اعتراضات کا جائزہ لیں گے، تاکہ اس منہج کی قوت اور حدود دونوں متوازن انداز میں سامنے آ سکیں۔

معاصر مباحث میں مقاصدی تفسیر کی افادیت اور تنقیدی جائزہ

عصرِ حاضر میں اسلامی فکر کو جن فکری، قانونی اور تہذیبی چیلنجز کا سامنا ہے، ان میں ریاست و قانون کا جدید تصور، انسانی حقوق کا عالمی بیانیہ، مذہبی آزادی، صنفی مساوات، معاشی عدل اور بین المذاہب تعلقات

جیسے موضوعات نمایاں ہیں۔ ان مسائل میں قرآنِ مجید کی رہنمائی کو پیش کرتے وقت محض جزوی اور سیاق سے منقطع تعبیرات نہ تو علمی طور پر کافی ہوتی ہیں اور نہ عملی طور پر مؤثر۔ ایسے ماحول میں مقاصدی منہج تفسیر ایک ایسا فکری فریم ورک فراہم کرتا ہے جو نصوص کو ان کے کلی اغراض اور شریعت کے عمومی مزاج کے ساتھ مربوط کرتا ہے۔ محمد الطاهر ابن عاشور نے واضح کیا کہ قرآن کے عمومی مقاصد—مثلاً عدل، حریت، مساوات اور رفعِ حرج—کو سمجھے بغیر جزوی احکام کی تعبیر ادھوری رہتی ہے۔[29] اسی تناظر میں معاصر اہلِ علم نے استدلال کیا کہ مقاصدی شعور قرآن کی آفاقی تعلیمات کو ایک جامع اور متوازن انداز میں پیش کرنے میں مدد دیتا ہے، کیونکہ یہ منہج جزئیات کو کلیات سے جوڑتا اور وقتی حالات کو ابدی اصولوں کے ساتھ ہم آہنگ کرتا ہے۔ اس طرح مقاصدی تفسیر نہ صرف ایک نظری بحث رہتی ہے بلکہ عصری فقہی اور سماجی مباحث میں عملی رہنمائی کا ذریعہ بھی بنتی ہے۔

تاہم مقاصدی منہج کی افادیت کے ساتھ اس پر بعض علمی اعتراضات بھی وارد کیے گئے ہیں۔ ایک بنیادی تنقید یہ ہے کہ "مقصد" کی تعیین اکثر اوقات مجتہد کی فکری ترجیحات سے متاثر ہو سکتی ہے، جس سے نصوص کی ایسی تعبیر سامنے آ سکتی ہے جو دراصل جدید تصورات کو قرآنی متن پر منطبق کرنے کی کوشش ہو۔ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے امام شاطبی نے اس امر پر زور دیا تھا کہ مقاصد کا اثبات استقراءِ تام اور نصوصِ متعددہ کے مجموعی رجحان سے ہونا چاہیے، نہ کہ ایک یا دو آیات سے۔[30] ان کے نزدیک اگر کوئی دعویٰ شدہ مقصد قرآن و سنت کے عمومی مزاج سے ہم آہنگ نہ ہو تو وہ معتبر نہیں۔ اسی طرح امام غزالی نے مصلحت کو "حفظ مقصودِ شرع" سے مشروط کر کے واضح کیا کہ ہر وہ چیز جو انسانوں کو مفید معلوم ہو، لازماً شریعت کا مقصد نہیں بن جاتی۔[31] ان اصولی قیود سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مقاصدی منہج کی صحت کا انحصار اس کی اصولی بنیادوں پر ہے؛ اگر یہ بنیادیں کمزور ہوں تو منہج بھی متزلزل ہو جائے گا۔

ایک اور اہم تنقیدی پہلو یہ ہے کہ بعض جدید مباحث میں مقاصدی فکر کو نصوص کی صریح دلالت پر ترجیح دے دی جاتی ہے، جس سے نص اور مقصد کے درمیان توازن متاثر ہو سکتا ہے۔ اصولی اعتبار سے یہ بات مسلم ہے کہ قطعی النصوص کو محض ظنی مقاصد کی بنیاد پر معطل نہیں کیا جا سکتا۔ فخر الدین رازی نے علت و حکمت کے مباحث میں اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ اگرچہ احکام حکمتوں پر مبنی ہوتے ہیں، لیکن حکم کی ثبوتیت نص سے ہوتی ہے، نہ کہ محض حکمت سے۔[32] اس اصول کو مقاصدی تفسیر میں ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے، تاکہ مقصد، نص کی خادمہ رہے نہ کہ اس کی حاکم۔ اس تناظر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مقاصدی منہج کی کامیابی اس کے اعتدال پر موقوف ہے: نہ تو وہ محض حرفی جمود کا شکار ہو، اور نہ ہی نصوص سے آزاد تاویلات کا ذریعہ بنے۔

معاصر علمی حلقوں میں مقاصدی تفسیر کو ایک ایسے طریقۂ کار کے طور پر دیکھا جا رہا ہے جو قرآن کے اخلاقی اور تمدنی پیغام کو اجاگر کرتا ہے اور اسے جدید مباحث کے ساتھ مکالمہ کرنے کے قابل بناتا ہے۔ تاہم اس کے لیے ضروری ہے کہ مقاصدی استدلال کو لغوی و نحوی تحقیق، اسبابِ نزول، سیاقِ کلام اور اصولِ فقہ کے قواعد سے مربوط رکھا جائے۔ اگر یہ ربط برقرار رہے تو مقاصدی منہج قرآن فہمی میں وسعت، توازن اور معنوی گہرائی پیدا کرتا ہے؛ اور اگر یہ ربط منقطع ہو جائے تو وہ محض ایک فکری رجحان بن کر رہ جاتا ہے۔ اسی لیے اس تحقیق کا بنیادی مؤقف یہ ہے کہ مقاصدی تفسیر کو ایک اصولی، منضبط اور علمی طریقۂ کار کے طور پر اختیار کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ اسے شریعت کے قطعی مصادر اور اجماعی اصولوں کے دائرے میں رکھا جائے۔

ان مباحث کے بعد مناسب ہوگا کہ مقالے کے اختتامی حصے میں مجموعی نتائج، اہم نکات کا خلاصہ، اور آئندہ تحقیق کے ممکنہ پہلوؤں کی نشاندہی کی جائے، تاکہ "مقاصدِ شریعت کی روشنی میں تفسیری منہج" کا تصور ایک متوازن اور مدلل صورت میں سامنے آ سکے۔

نتائج و خلاصۂ بحث

زیر نظر تحقیق میں "مقاصدِ شریعت کی روشنی میں تفسیری منہج" کا اصولی، تاریخی اور تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا۔ ابتدا میں یہ واضح کیا گیا کہ مقاصدِ شریعت کا تصور اسلامی علمی روایت میں کوئی نیا یا خارجی اضافہ نہیں، بلکہ اس کی جڑیں خود قرآن و سنت میں پیوست ہیں۔ اگرچہ "مقاصد" کی اصطلاح بعد میں مدون ہوئی، لیکن قرآن مجید کی متعدد آیات میں احکام کی حکمت اور غایت کی طرف واضح اشارات موجود ہیں، جو اس امر کی دلیل ہیں کہ شریعت محض اوامر و نواہی کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک باقاعدہ اخلاقی و تمدنی

منصوبہ ہے جس کے پیچھے متعین اغراض کارفرما ہیں۔ اس تصور کو اصولِ فقہ کے دائرے میں منظم صورت دینے میں امام الحرمین جوینی، امام غزالی اور بالخصوص امام شاطبی کا کردار نمایاں رہا، جنھوں نے مصالحِ کلیہ اور استقراءِ شریعت کے ذریعے مقاصد کو ایک مربوط نظریۂ شریعت کی صورت دی۔ ان کے ہاں مقاصد محض فقہی جزئیات کی توضیح کا ذریعہ نہیں بلکہ پورے نظامِ شریعت کی روح ہیں، جو دین، نفس، عقل، نسل اور مال کے تحفظ جیسے بنیادی اصولوں کے گرد منظم ہے۔[33]

تحقیق کے دوسرے مرحلے میں اصولِ فقہ میں مقاصد کی حجیت اور استنباطی اصولوں کا جائزہ لیا گیا، جہاں یہ بات سامنے آئی کہ علتِ حکم، قیاس، مصلحت مرسلہ اور استقراء جیسے اصولی مباحث درحقیقت مقاصدی فکر سے گہرے طور پر مربوط ہیں۔ مقاصد کو ایک ایسا رہنما اصول (guiding framework) قرار دیا گیا جو جزوی علل کو کلی اغراض کے ساتھ ہم آہنگ رکھتا ہے۔ اس تناظر میں یہ نتیجہ اخذ ہوا کہ اگر مقاصد استنباطِ فقہی میں معتبر اور مؤثر ہو سکتے ہیں تو قرآن کی تفسیر میں بھی ان کی اصولی حیثیت تسلیم کی جا سکتی ہے، بشرطیکہ ان کی تعیین نصوص کے استقراءِ تام اور اجماعی اصولوں سے ہو۔ اس بحث میں فخر الدین رازی کے علت و حکمت سے متعلق مباحث اور غزالی و شاطبی کی توضیحات کو بنیاد بنایا گیا، جن سے یہ اصول مستفاد ہوتا ہے کہ مقصد، نص کی خادمہ ہے نہ کہ اس کی حاکم۔[34]

تفسیری مناہج کے تاریخی ارتقا کے جائزے سے یہ حقیقت بھی سامنے آئی کہ مقاصدی عناصر کلاسیکی تفاسیر میں کسی نہ کسی صورت موجود رہے ہیں، اگرچہ وہ ایک مستقل اور منضبط منہج کی صورت اختیار نہیں کر سکے تھے۔ امام طبری کی روایت پر مبنی تفسیر ہو یا کلامی و عقلی رجحان رکھنے والی تفاسیر، دونوں میں حکمتِ تشریع اور مصالح کی طرف اشارات ملتے ہیں۔ تاہم جدید دور میں محمد الطاهر ابن عاشور نے مقاصدی فکر کو باقاعدہ تفسیری اسلوب میں منتقل کیا اور یہ واضح کیا کہ قرآن کے عمومی مقاصد کو سامنے رکھے بغیر اس کے جزوی احکام کی تعبیر ادھوری رہتی ہے۔[35] اس ارتقا سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ مقاصدی تفسیر کوئی منقطع یا خارجی رجحان نہیں بلکہ اسلامی علمی روایت کے اندر سے ابھرنے والی ایک فکری پیش رفت ہے۔

معاصر مباحث کے تناظر میں مقاصدی منہج کی افادیت اس امر میں مضمر ہے کہ یہ قرآن کے اخلاقی، سماجی اور قانونی پیغام کو ایک جامع اور مربوط صورت میں پیش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جدید قانونی و انسانی حقوق کے مباحث میں جہاں "مقصد" اور "مصلحت" کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، وہاں مقاصدی تفسیر قرآن کی آفاقی تعلیمات کو عصری زبان میں بیان کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ تاہم اس تحقیق نے اس پہلو کو بھی واضح کیا کہ اگر مقاصد کی تعیین نصوص اور اصولی ضوابط سے منقطع ہو جائے تو یہ منہج تاویلاتِ بعیدہ اور ذوقی تعبیرات کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اس لیے مقاصدی تفسیر کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ اسے لغوی و نحوی تحقیق، سیاقِ کلام، اسبابِ نزول اور اصولِ فقہ کے قواعد کے ساتھ مربوط رکھا جائے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ "مقاصدِ شریعت کی روشنی میں تفسیری منہج" ایک ایسا علمی طریقۂ کار ہے جو قرآن کے کلی پیغام کو جزوی نصوص کے ساتھ ہم آہنگ کرتا اور شریعت کے اخلاقی و تمدنی مقاصد کو نمایاں کرتا ہے۔ یہ منہج نہ صرف روایت سے ہم آہنگ ہے بلکہ عصرِ حاضر کے فکری چیلنجز کا جواب دینے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے، بشرطیکہ اسے اعتدال، اصولی ضبط اور نصوص کی حرمت کے ساتھ اختیار کیا جائے۔ آئندہ تحقیق کے لیے یہ میدان کھلا ہے کہ مخصوص موضوعات—مثلاً انسانی حقوق، معاشی عدل یا بین المذاہب تعلقات—پر مقاصدی منہج کی عملی تطبیقات کا تفصیلی مطالعہ کیا جائے، تاکہ اس نظری مباحثے کو مزید عملی اور تحقیقی گہرائی حاصل ہو۔

حوالہ جات

1. ابو حامد محمد الغزالی، المستصفیٰ من علم الأصول، تحقیق: محمد عبد السلام عبد الشافی (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1993)، 1: 286–289۔
2. ابراہیم بن موسی الشاطبی، الموافقات فی أصول الشریعۃ، تحقیق: عبد اللہ دراز (بیروت: دار المعرفۃ، 1997)، 2: 8–12۔
3. محمد بن جریر الطبری، جامع البیان عن تأویل آي القرآن، تحقیق: احمد محمد شاکر (قاہرہ: دار المعارف، 1954)، مقدمہ۔

ISSN Online: 3007-3154
ISSN Print: 3007-3146

DIALOGUE SOCIAL SCIENCE REVIEW

Vol. 3 No. 7 (July) (2025)

4. فخر الدین الرازی، مفاتیح الغیب)بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1999)، 1: 45–50۔
5. محمد الطاہر ابن عاشور، التحریر والتنویر)تونس: الدار التونسیۃ للنشر، 1984)، مقدمہ، 1: 38–45۔

6. ابو حامد محمد الغزالی، المستصفیٰ من علم الأصول، 289–286 :1۔
7. ابراہیم بن موسی الشاطبی، الموافقات فی أصول الشریعۃ، 12–8 :2۔
8. ایضاً، 2: 10–15۔
9. فخر الدین الرازی، مفاتیح الغیب، 50–45 :1۔
10. عبد الملک بن عبد اللہ الجوینی، البرہان فی أصول الفقہ)بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1997)، 2: 799–805۔
11. الشاطبی، الموافقات، 9–6 :2۔
12. محمد الطاہر ابن عاشور، مقاصد الشریعۃ الاسلامیۃ)تونس: دار سحنون، 2001)، 39–45۔

13. عبد الملک بن عبد اللہ الجوینی، البرہان فی أصول الفقہ، 805–799 :2۔
14. ابو حامد محمد الغزالی، المستصفیٰ من علم الأصول، 289–286 :1۔
15. فخر الدین الرازی، المحصول فی علم الأصول)بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 1997)، 2: 342–350۔
16. ابراہیم بن موسی الشاطبی، الموافقات فی أصول الشریعۃ، 25–20 :2۔
17. الغزالی، المستصفیٰ، 295–290 :1۔
18. الشاطبی، الموافقات، 35–30 :2۔
19. ایضاً، 2: 8–12۔
20. ایضاً، 2: 17–19۔

21. محمد بن جریر الطبری، جامع البیان عن تأویل آي القرآن، مقدمہ۔
22. فخر الدین الرازی، مفاتیح الغیب، 50–45 :1۔
23. ابراہیم بن موسی الشاطبی، الموافقات فی أصول الشریعۃ، 12–8 :2۔
24. محمد الطاہر ابن عاشور، التحریر والتنویر، 45–38 :1۔

25. ابراہیم بن موسی الشاطبی، الموافقات فی أصول الشریعۃ، 12–8 :2۔
26. ابو حامد محمد الغزالی، المستصفیٰ من علم الأصول، 289–286 :1۔
27. محمد الطاہر ابن عاشور، التحریر والتنویر، 45–38 :1۔
28. فخر الدین الرازی، مفاتیح الغیب، 50–45 :1۔

29. محمد الطاہر ابن عاشور، مقاصد الشریعۃ الاسلامیۃ، 45–39۔
30. ابراہیم بن موسی الشاطبی، الموافقات فی أصول الشریعۃ، 12–8 :2۔
31. ابو حامد محمد الغزالی، المستصفیٰ من علم الأصول، 289–286 :1۔
32. فخر الدین الرازی، المحصول فی علم الأصول، 350–342 :2۔

33. ابراہیم بن موسی الشاطبی، الموافقات فی أصول الشریعۃ، 12–8 :2؛ ابو حامد محمد الغزالی، المستصفیٰ من علم الأصول، 289–286 :1۔
34. فخر الدین الرازی، المحصول فی علم الأصول، 350–342 :2۔
35. محمد الطاہر ابن عاشور، مقاصد الشریعۃ الاسلامیۃ، 45–39؛ نیز، التحریر والتنویر، –38 :1